سنہری تجوری

طاہر جاوید مغل

اس تجوری کا قصہ جس کی شہرت نزدیک و دور ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ علاقے کے تمام جرائم پیشہ اس تک پہنچنے کی آرزو دل میں رکھتے تھے۔ بالآخر یہ مہم سر کرنے کا بیڑا ایک ڈاکو نے اٹھایا۔ وہ اس تجوری پر قبضہ کرنے میں تو کامیاب ہو گیا، مگر اسے کھولنا کسی کے بس کی بات...

[illegible]

کہانی کہنے سے بہت پہلے کہانی سننے کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ زیادہ نہیں تیس سال پہلے۔ ان دنوں کی بات ہے جب میں نہم یا چوتھی کلاس میں پڑھتا تھا۔ والد صاحب کو فارغ دیکھتے ہی ہم بہن بھائی ان کا گھیراؤ کر لیتے اور کہانی سنوا کر چھوڑتے۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ شوق پھلتا پھولتا رہا۔ کہانیوں تک رسائی حاصل کرنے کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے گئے لیکن والد صاحب کا گھیراؤ کر کے ان سے کہانی سننے کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔ یہاں تک کہ جب ہم کالج میں گئے اس وقت بھی کسی نہ کسی طرح ہم بھی والد صاحب کو کہانی سنانے پر آمادہ کر ہی لیتے تھے۔

انہی دنوں کی بات ہے سرما کی ایک ٹھٹھری ہوئی شام کو نہایت "کہانی انگیز" ماحول میں ہم نے والد صاحب کا گھیراؤ کیا۔ وہ چونکہ بہت پڑھے تھے لہٰذا ہمیں سنانے کے لئے ان کے پاس سے کچھ نہ کچھ نکل ہی آتا تھا۔ تاہم اس روز وہ خالی الذہن سے بیٹھے رہے۔ کہنے لگے "بھئی میرے پاس جتنا بھی اسٹاک تھا ختم ہو گیا۔ پنجابی، اردو، انگلش جو کچھ پڑھا تھا سب تمہیں سنا ڈالا۔ اب تھوڑی سی مہلت دو مجھے۔"

ہم کہاں ٹلنے والے تھے۔ اصرار جاری رکھا۔ وہ بالوں میں انگلیاں پھیر پھیر کر حافظے پر زور ڈالتے رہے۔ آخر ان کے چہرے پر ایک شناسائی سی چمک ابھری۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ ہمارا پیٹ بھرنے کے لئے کوئی مناسب سی کہانی ان کے ذہن میں آ گئی ہے۔ گہری سانس لے کر بولے "لمبی چوڑی کہانی نہیں۔ ایک چھوٹا سا واقعہ ہے۔ یاد نہیں کہیں پڑھا تھا یا کسی سے سنا تھا لیکن دلچسپ واقعہ تھا۔ اس لئے یاد رہ گیا۔ یہ غیر منقسم ہندوستان کی بات ہے۔

راجستھان کے بعض دور دراز حصوں میں قانون کی گرفت بہت کمزور تھی۔ ایسے علاقوں میں کوسوں دور تک کوئی تھانہ یا چوکی نظر نہیں آتی تھی، جرائم پیشہ لوگوں سے نمٹنے کے لئے مقامی لوگوں کو اپنے طور پر انتظام کرنا پڑتا تھا۔ پیشہ ور لٹھ باز اور نمبرداروں کے کارندے پولیس کے فرائض انجام دیتے تھے اور پنچایت عدالت کی حیثیت سے فیصلے سناتی تھی۔ بے پور کے نزدیک ایک ایسے ہی علاقے میں دالموت نامی گاؤں تھا۔ یہاں کا سلطان نامی زمیندار کافی خوشحال تصور کیا جاتا تھا۔ گاؤں سے کچھ فاصلے پر اس کی کافی بڑی حویلی تھی جس میں وہ اپنی بیوی، ساس اور سسر کے ساتھ رہتا تھا۔

سلطان کی عمر چالیس کے لگ بھگ تھی، لیکن اس کی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ دھیرے دھیرے کاروبار میں اس کی توجہ کم ہو گئی تھی اور وہ زیادہ وقت سیر و تفریح اور شکار وغیرہ

میں گزار رہا تھا۔ تین چار سال پہلے اس نے اپنی آدھی زمین بھی فروخت کروی تھی۔ یہ آدھی زمین کم و بیش چالیس ایکڑ پر مشتمل تھی اور اس کی کم از کم مالیت چار لاکھ روپے تھی۔ چار لاکھ روپیہ اُن دنوں ایک بڑی رقم تھی۔

جب سے سلطان احمد نے زمین فروخت کی تھی بہت سے چور لٹیروں کی نگاہیں اُس پر لگ گئی تھیں۔ وہ زمین بیچ کر کوئی کاروبار کرلیتا یا کچھ خرید لیتا تو اور بات تھی لیکن اس نے کیا بھی کچھ نہیں تھا۔ لہٰذا یہ بات یقینی تھی کہ نقد رقم اس کے پاس ہے...... رقم یا تو بینک میں جمع کرائی گئی تھی یا اس نے اپنے پاس کہیں رکھی ہوئی تھی۔ قریب ترین بینک بھی ڈائمنڈوت گاؤں سے تقریباً اسّی میل دور تھا اور سلطان شہر میں زیادہ آتا جاتا بھی نہیں تھا۔ لہٰذا غالب امکان یہی تھا کہ رقم اس نے اپنی حویلی میں ہی کہیں محفوظ کر رکھی ہے۔ بتانے والے بتاتے تھے کہ سلطان کی حویلی میں ایک کافی بڑا سیف موجود ہے اور اس سیف کی حفاظت کا اس نے خاطر خواہ انتظام کر رکھا ہے۔

وہ موسم سرما کی ایک طویل رات تھی۔ چاند سرِشام ہی مغرب میں جھلک دکھا کر نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ صحرائی علاقے میں کتوں کے غول دندنا رہے تھے اور گیدڑ چیختے چلاتے پھر رہے تھے۔ سلطان ڈائمنڈوت گاؤں ہی کے چند افراد کے ساتھ شکار کھیلنے کے لئے نکلا ہوا تھا' اس کی واپسی دو دن سے پہلے ممکن نہ تھی۔ سلطان کی حویلی میں عورتوں کے علاوہ اس کا چھوٹا بھائی تھا یا دو کارندے۔

رات بارہ بجے کے بعد حویلی کے قریب ایک لوڈر نما جیپ رکی۔ اس میں چھ افراد سوار تھے' چار رائفلوں سے مسلح جب کہ دو کے پاس چھوٹے دستے کی کلہاڑیاں تھیں۔ ایک شخص جیپ میں بیٹھا رہا جب کہ باقی بڑی ہوشیاری سے حویلی میں گھس گئے۔ سلطان کے دونوں کارندوں پر قابو پانے میں انہیں زیادہ دشواری نہیں ہوئی' ہاں اس کے چھوٹے بھائی نے بروقت بیدار ہو کر چند گولیاں چلائیں لیکن جس وقت وہ اپنی گن کو ری لوڈ کر رہا تھا ایک شخص نے بلندی سے چھلانگ لگا کر اسے چھاپ لیا یوں اس کی مزاحمت بھی دم توڑ گئی اور حملہ آوروں نے دیگر افراد کی طرح اسے بھی باندھ کر ایک طرف ڈال دیا۔

اہلِ خانہ کی طرف سے فارغ ہونے کے بعد حملہ آوروں نے حویلی سے چند قیمتی اشیا سمیٹیں اور پھر اپنی تمام توجہ آہنی سیف پر مرکوز کر دی۔ یہ سیف ایک اندرونی کمرے میں تھا۔ کمرے کے دروازے پر ایک بھاری بھر کم قفل جھول رہا تھا۔ ڈاکوؤں کے اس گروہ میں ایک لاک ماسٹر بھی شامل تھا۔ اس نے معمولی کوشش سے دروازے کا قفل کھول لیا اور سب بھرّا مار کر اندر داخل ہو گئے۔ سیف تقریباً پانچ فٹ اونچا اور مربع کی شکل میں تھا لیکن دھیان سے دیکھنے پر اندازہ ہوتا تھا کہ چوڑائی' موٹائی سے قدرے زیادہ ہے۔ موٹائی پونے تین فٹ اور چوڑائی تین فٹ کے لگ

بھگ تھی۔ دروازے پر چمکدار لوہے کے دو ہینڈل لگے تھے۔ دو افراد نے سیف کو اس کی جگہ سے ہلانے کی کوشش کی لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہوا۔ اسے ہاتھ لگاتے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ بہت بھاری بھر کم اور نہایت مضبوط سیف ہے۔

لاک ماسٹر نے ایک تھیلے میں سے اوزار نکالے اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ تقریباً ایک گھنٹا وہ ہمہ تن مشغول رہا۔ ایک مخصوص تار کے علاوہ اس نے درجنوں چابیاں آزمائیں۔ کئی بار بھی چابی بنانے کی کوشش کی لیکن تمام سعی رائیگاں گئی۔ سیف نے کھلنے سے انکار کر دیا۔ پانچوں افراد نے سر جوڑ کر آپس میں مشورہ کیا اور سیف کو حویلی سے لے جانے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ اس صورتِ حال کے لئے پہلے سے تیار ہو کر آئے تھے اور اس کا ثبوت وہ لوڈر نما جیپ تھی جس میں سیف کو بار کیا جا سکتا تھا اور جو حویلی کے مین گیٹ کے عین سامنے کھڑی تھی۔

جیپ کو ریورس کر کے اندر لایا گیا اور دو فٹ اونچے برآمدے کے ساتھ لگا دیا گیا۔ لوڈر نما جیپ کی اونچائی بھی کم و بیش اتنی ہی تھی۔ لہٰذا جب چھ افراد سیف کو چکنے فرش پر دھکیلتے اور کھینچتے ہوئے گاڑی تک لائے تو اسے گاڑی پر بار کرنے میں انہیں بہت زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔

○☆○

وہ دو بڑے ٹیلوں کے درمیان ایک ہموار قطعۂ زمین تھا۔ چاروں طرف جنڈ' ناگ پھنی اور کھجور کے درخت تھے۔ ایک طرف ایک کچا کوٹھا سا بنا ہوا تھا۔ اس کوٹھے میں صرف ایک دروازہ تھا اور اس کی چھت کافی نیچی تھی۔ یہ جگہ ڈائمنڈوت گاؤں سے تقریباً پندرہ میل شمال کی جانب تھی۔ بالکل بے آباد علاقہ تھا۔ دور دور تک کہیں کوئی کھیتی نظر آتی تھی اور نہ کسی متنفس کا نشان' ڈائمنڈوت گاؤں کے امیر ترین شخص کی تجوری اسی الگ تھلگ مقام پر پہنچائی گئی تھی۔ وہ نیچی چھت والے کوٹھے میں پڑی تھی اور پچھلے پانچ چھ گھنٹوں سے اسے کھولنے کی سر توڑ کوشش کی جا رہی تھی۔

بالآخر قفل ساز چندور ٹیکمر نے مایوسی سے سر جھٹکا اور اٹھ کھڑا ہوا "نہیں یارو! کوئی بس نہیں چل رہا" اس نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے' پھر دوسرا طریقہ اختیار کرتے ہیں" بڑے سر والے ایک لمبے تڑنگے شخص نے کہا۔ اس کا نام رگو ناتھ تھا اور وہ اس ٹولے کا لیڈر تھا۔

وہ کمرے کے ایک کونے میں گیا۔ ایک میلا سا ترپال اٹھا کر اس نے دو وزنی ہتھوڑے نکالے۔ ان ہتھوڑوں کے علاوہ وہاں توڑ پھوڑ کا دیگر سامان بھی موجود تھا۔ دو چھوٹے ہتھوڑے تھے ایک دو چھینیاں تھیں۔ چھینیوں کو دور سے پکڑنے کے لئے ایک لمبا سا زنبور تھا۔ اس کے علاوہ لوہے کی ایک وزنی بار تھی جس کے ایک سرے کو چپٹا کیا گیا تھا۔

سیف کو توڑنے کی تیاریاں ہو رہی تھیں' جب اچانک وہ سب

رہی تھی۔ کسی گھوڑے کی ٹاپیں سنائی دے رہی تھیں ... کچھ فاصلے سے کسی گھوڑے کی ٹاپیں سنائی دے رہی تھیں۔ رگو ناتھ نے اپنی رائفل سنبھالی اور لپک کر باہر چلا گیا۔ ساتھیوں نے بھی اپنا اسلحہ ہاتھ میں لے لیا اور چوکس نظر آنے لگے۔ چند منٹ بعد ایک گھڑ سوار جھنڈ میں داخل ہوا اور پھر اپنا باقی سفر طے کرتا ہوا ان کے سامنے آکر رک گیا۔ وہ ایک چوڑا چکلا شخص تھا۔ گھوڑے کے سامنے ... جوان سال نظر آتا تھا لیکن ابھی صحت کی وجہ سے جوان سال نظر آتا تھا۔ کندھے پر رائفل لٹک رہی تھی۔ لباس اور چال ڈھال سے خود کار رائفل لٹک رہی تھی۔ لباس اور کندھے سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اسی علاقے کا رہنے والا ہے۔ وہ گھوڑے سے اترے بغیر بے خوفی سے رگو ناتھ کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

"کیا بات ہے۔ کون ہو تم؟" رگو ناتھ نے اکھڑے لہجے میں پوچھا۔

"میں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ دشمن نہیں ہوں۔" گھڑ سوار نے اطمینان سے جواب دیا۔

"کیا نام ہے تمہارا۔ یہاں کیا لینے آئے ہو؟" رگو ناتھ نے پوچھا۔

گھڑ سوار تفتیشی نظروں سے کمرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ بے تکلفی سے گھوڑے سے اترا اور بولا۔ "نام سراج دین ہے' میرا خیال ہے ہم دونوں ایک دوسرے کے لئے فائدہ مند ثابت ہو سکتے ہیں۔"

"میں کچھ سمجھا نہیں" رگو ناتھ کا لہجہ شکوک و شبہات سے معمور تھا۔

"لیکن میں سمجھ گیا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ میں ٹھیک جگہ پر آگیا ہوں۔"

دونوں باتیں کرتے ہوئے جنتر کی ایک جھاڑی تلے آکھڑے ہوئے کمرے میں موجود افراد محتاط نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

گھڑ سوار نے بیڑی سلگاتے ہوئے کہا۔ "فنکار نے دوسرے فنکار کو پہچان لیا ہے۔ میں تمہارا ہم پیشہ ہوں۔ رات کی تاریکی میں نکلتا ہوں اور اپنے دماغ و ہاتھوں سے کما کر کھاتا ہوں۔" بیڑی کا کثیف دھواں فضا میں چھوڑ کر اس نے ایک لمحے کے لئے رگو ناتھ کی آنکھوں میں جھانکا اور رازداری لہجے میں بولا۔ "مجھے یقین ہے کہ آج رات سلطان احمد کی حویلی سے جو سیف چوری ہوا ہے وہ تمہارے پاس ہے...... اور اس سامنے والے کوٹھے میں ہے۔"

رگو ناتھ کی گرفت اپنی رائفل پر مضبوط ہو چکی تھی۔ وہ کہنے لگا۔ "اگر ایسا ہے تو پھر؟"

گھڑ سوار سراج دین بولا۔ "میں سیف کھولنے میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔"

"کہیں تم کوئی چکر چلانے کی کوشش تو نہیں کر رہے ہو؟" رگو ناتھ نے سراج کو جگر پاش نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"میں اکیلا بندہ ہوں۔ تم چھ سات ہو' میں تم سے کیا چکر چلا سکتا ہوں ... پیش کی ...

رگو ناتھ کی آنکھیں بدستور سراج کی آنکھوں میں گڑی تھیں۔ وہ بڑی تیزی سے کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ رگو ناتھ کے دو ساتھی بھی دھیمے قدموں سے چلتے ان کے نزدیک پہنچ چکے تھے ـــــ آخر رگو ناتھ نے ایک گہری سانس لی اور سراج دین کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔

اپنے چھبیلے گھوڑے کی باگیں درخت سے باندھ کر سراج دین' رگو کے پیچھے چل دیا۔ دونوں کچے کوٹھے میں داخل ہوئے یہاں چندر شیکھر اور دیگر افراد وزنی اوزار تھامے سیف پر پل پڑنے کے لئے بالکل تیار تھے۔ انہیں دیکھ کر سراج دین کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر چلا گیا۔ وہ ٹولے کے لیڈر رگو ناتھ سے بولا۔ "اگر تم لوگوں کا خیال ہے کہ اس سیف کو آسانی سے توڑ لو گے تو یہ غلط ہے...... اور پھر تمہیں توڑنے کی ضرورت بھی کیا ہے' جب اسے کھولا جا سکتا ہے۔"

"لیکن کیسے کھولو گے تم؟" رگو ناتھ نے پوچھا۔

"سیف کی چابی سے۔" سراج دین کا جواب تھا۔

"کہاں ہے چابی؟"

"سب کچھ بتا دیتا ہوں لیکن میرا خیال ہے پہلے معاملہ طے کر لیا جائے۔"

دونوں پہلو بہ پہلو چلتے ہوئے کمرے سے باہر آگئے۔ رگو ناتھ نے سراج دین سے بیڑی لے کر سلگائی اور سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اب دھوپ چڑھ آئی تھی اور سبزے پر چمکنے والے شبنم کے ننھے ننھے قطرے تیزی سے اوجھل ہو رہے تھے۔ یہ ایک ویران جگہ تھی۔ نیچی چھت والا کوٹھا بھی بے آباد تھا۔ چھت خستہ تھی' ایک دیوار میں بڑا سا شگاف نظر آرہا تھا۔ ایک دو جگہ جانوروں کا فضلہ پڑا تھا۔

سراج دین نے کہا۔ "اس سیف کو توڑنا اتنا آسان نہیں جتنا تم سمجھ رہے ہو۔ جن معمولی اوزاروں پر تم تکیہ کر رہے ہو ان سے تم سارا دن بھی لگے رہے تو سیف کا کچھ نہیں بگاڑ پاؤ گے اور تم جانتے ہی ہو یہ وقت تمہارے لئے کتنا قیمتی ہے۔ زاہد وت گاؤں کے لوگ تمہاری تلاش میں نکل چکے ہوں گے اور جلد یا بدیر پولیس بھی علاقے میں پہنچنے والی ہو گی۔"

رگو ناتھ نے بیڑی کا طویل کش لیتے ہوئے کہا۔ "بات مختصر کرو۔ کیا چاہتے ہو تم؟"

"چوتھا حصہ۔" سراج دین نے پورے اعتماد سے کہا۔

رگو ناتھ نے کہا۔ "جن جی! تمہاری مانگ بہت سخت ہے.... بہرحال میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر لیتا ہوں۔ لیکن ـــــ" کچھ کہتے کہتے وہ رک گیا۔

"لیکن کیا؟" سراج دین نے پوچھا۔

"کیا میں جان سکتا ہوں کہ تم سلطان احمد کو کیسے جانتے ہو اور اس کے سیف کی چابیاں تمہارے پاس کیسے پہنچیں؟"

سراج کی نگاہیں بیڑی کے سلگتے ہوئے سرے پر جمی ہوئی

تھیں۔ وہ بولا۔ "آج سے تین سال پہلے میں چوہدری سلطان احمد کے پاس ملازم تھا۔ ہر وقت باڈی گارڈ کی طرح اس کے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔ انہی دنوں میں نے اس کے سیف کی چابیوں کا نقش اپنے پاس محفوظ کیا تھا۔ وہی صابن کی ٹکیا والا پرانا طریقہ۔۔۔ میں نے تین چابیوں کا نقش ٹکیا پر اتار لیا تھا۔ بعد میں شہر جا کر یہ چابیاں بنوالیں لیکن چوہدری کا سیف کھولنے کا موقع نہ مل سکا۔ نجانے چوہدری کو مجھ پر کیا شک ہوا کہ اس نے مجھے نوکری سے نکال دیا۔۔۔ چند ہفتے بعد ایک کیس میں مجھے دو سال قید کی سزا ہو گئی۔۔۔ ان گرمیوں میں ہی قید کاٹ کر واپس آیا ہوں۔"

"اب وہ چابیاں کہاں ہیں؟" رگوناتھ نے قدرے بے تابی سے پوچھا۔

"چابیاں لا دیتا ہوں اور سیف بھی کھول دیتا ہوں۔ لیکن بہتر ہے پہلے معاملہ طے ہو جائے۔"

رگوناتھ نے پُرسوچ ہنکارا بھرا اور بیڑی پاؤں تلے مسل کر کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

رگوناتھ کی واپسی تقریباً پانچ منٹ بعد ہوئی۔ اس نے آکر سراج کو بتایا کہ انھیں اس کی شرط منظور ہے۔ اگر وہ ایک آدھ گھنٹے کے اندر سیف کھول دے تو سیف میں سے جو کچھ نکلے گا اس کا چوتھا حصہ اس کا ہو گا۔

معاملہ طے ہو گیا تو سراج نے اپنے گھوڑے کی زین اٹھائی اور اس کی ایک اندرونی تہ کے اندر سے پیتل کی چابیوں کا گچھا نکال لیا۔ چابیاں دیکھتے ہی رگوناتھ اور اس کے ساتھیوں کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔ وہ سیف کے سامنے پہنچے تو ان سب کے دل شدت سے دھڑک رہے تھے۔ وہ سیف جس کا کئی برسوں سے علاقے میں شہرہ تھا ان کے سامنے پڑا تھا اور کسی بھی وقت اس کے بند در کھلنے والے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کی آنکھوں میں سونے کی چمک تھی اور سماعت میں نوٹوں کی کڑکڑاہٹ گونج رہی تھی۔ چار لاکھ روپے کا تصور جتنا فرحت بخش تھا اس سے بڑھ کر صبر آزما ثابت ہو رہا تھا۔

سراج نے سب سے بڑی چابی سیف کے بیرونی قفل میں ڈالی۔ کچھ دیر اسے آگے پیچھے ہلاتا رہا۔ پھر دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں حرکت دی۔ آخر ایک خوش کن کھٹکے سے بیرونی تالا کھل گیا۔ سیف کا بھاری بھرکم دروازہ وا کیا گیا۔۔۔ سیف خالی تھا۔ دیکھنے والوں کے جسموں کو جھٹکا سا لگا۔ لیکن زیادہ تشویش کی بات نہیں تھی۔ ابھی دو اندرونی خانوں کے قفل کھلنا تھے۔ سراج نے باقی دو چابیاں استعمال کیں اور یکے بعد دیگرے وہ دونوں قفل بھی کھول دیئے۔ دیکھنے والوں کے چہروں پر حیرت اور مایوسی موسلا دھار بارش کی طرح برس رہی تھی۔ سیف بالکل خالی تھا۔ ایک پھوٹی کوڑی نہیں تھی اس میں۔۔۔ چند بیکار کاغذات اور کچھ رسیدیں وغیرہ تھیں جو خزاں رسیدہ پتوں کی طرح اِدھر اُدھر بکھری ہوئی تھیں۔ سیف کی زیریں دراز قفل کے بغیر تھی۔ وہ بھی خالی پائی گئی۔ لاک ماسٹر چندر شیکھر اور سراج نے بڑی احتیاط سے سیف کا جائزہ لیا۔ لیکن کہیں کسی خفیہ خانے کا سراغ نہیں ملا۔ پورے سیف کو ٹھونک بجا کر دیکھا گیا، وہ اوپر سے نیچے تک ٹھوس تھا اور کہیں کسی خلا کا ایک فیصد چانس بھی نہیں تھا۔

بہت دیر بعد ٹولے کے لیڈر رگوناتھ نے ایک ٹھوکر سیف کے دروازے پر لگائی اور جھنجھلا کر بولا۔ "حرامزادہ۔۔۔ بڑا چوہدری کا پھرتا ہے۔ کنگلا کہیں کا۔"

لاک ماسٹر چندر شیکھر بولا۔ "مجھے تو پہلے ہی شک تھا کہ ہم صرف ٹائم ضائع کریں گے۔ جس شے کی اتنی مشہوری ہو اُس کے اندر سے ملتا ولتا کچھ نہیں۔"

رگوناتھ کے ایک ساتھی نے "سیف" کو لمبی چوڑی گالی دی اور زمین پر تھوک کر باہر نکل گیا۔ سراج بھی چہرے پر مایوسی سجائے ایک طرف کھڑا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ڈاکوؤں کے اس ٹولے نے اپنا ساز و سامان لوڈر نما جیپ میں رکھا اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔

گھڑ سوار سراج اپنے گھوڑے کے قریب کھڑا دیر تک اس گرد کو دیکھتا رہا جو جیپ اپنے پیچھے چھوڑ گئی تھی، پھر اس کے چہرے پر ایک عجیب مسکراہٹ کھیل گئی۔"

کہانی سناتے سناتے والد صاحب نے جائزانہ نگاہوں سے ہمارے چہرے دیکھے اور بولے "جانتے ہو گھڑ سوار سراج کون تھا؟" پھر خود ہی جواب دیا۔ "وہ چوہدری سلطان احمد تھا۔ ڈاکوؤں کے جانے کے بعد وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور نواحی گاؤں "شور گڑھ" پہنچا۔ وہاں سے اس نے دس بارہ آدمی لئے، ایک بیل گاڑی لی اور واپس درختوں کے اسی جھنڈ میں پہنچ گیا، جہاں خالی سیف رکھا تھا۔ سیف بیل گاڑی پر لدوا کر وہ بانہ وت گاؤں روانہ ہو گیا۔

وہ رات گئے گاؤں پہنچا۔ بہت سے لوگ ابھی تک جاگ رہے تھے۔ شور مچ گیا کہ چوہدری صاحب کا گمشدہ سیف مل گیا ہے۔ چوہدری سلطان نے سیف بڑی احتیاط سے دوبارہ حویلی کے اسی تالا بند کمرے میں رکھوا دیا جہاں سے اسے نکالا گیا تھا۔ وہ اس بات پر بہت خوش تھا کہ بروقت موقع پر پہنچ کر اس نے سیف بچا لیا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر سیف چرانے والے اسے توڑنے کا آغاز کر دیتے اور سیف کا رنگ و روغن کسی جگہ سے بگڑ جاتا تو اس کا بچنا محال تھا۔۔۔ جانتے ہو کیوں؟" والد صاحب نے ایک لمحہ توقف کیا۔ ہم سب سوالیہ نظروں سے اُن کی طرف دیکھ رہے تھے انہوں نے بتایا "وہ سیف خالی تو تھا مگر بیکار نہیں تھا۔ وہ سونے کا بنا ہوا سیف تھا۔ تقریباً ڈھائی من سونا لگا ہوا تھا اُس میں۔۔۔ پچاس روپے فی تولہ کے حساب سے چار لاکھ کا سونا۔۔۔"